ترکی میں تحریکِ احیائے اسلام کی موجودہ حالت

دَورۂ تُرکی کے مشاہدات

از جناب خلیل حامدی صاحب

(۲)

لادینیت کے نفاذ کا ردِّ عمل موصوف نے جب اپنی یہ داستان مکمل کرلی تو میں نے دریافت کیا کہ یہ واقعات تو ہمیں کسی نہ کسی حد تک معلوم ہیں، لیکن میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مسلم عوام کا اس وقت ردِّ عمل کیا تھا اور ملتِ اسلامی نے ان تبدیلیوں کو کس طرح ہضم کرلیا، خاص طور پر عائلی قوانین کو کس حد تک عملاً قبول کیا گیا؟ وہ بتلانے لگے کہ شروع شروع میں تو عوام کے اندر ان تبدیلیوں کے خلاف سخت بے چینی اور غم وغصہ کا اظہار کیا گیا، مگر چونکہ مصطفیٰ کمال نے بلقان کی جنگوں کے اندر بعض اچھے کارنامے سرانجام دیئے تھے اس لیے لوگ اس کے بارے میں غلط فہمی میں رہے۔ مسٹر نائف درمیان میں وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ دراصل اس تمام خرابی کی ذمہ داری فوزی چقماق پاشا کی گردن پر ہے۔ فوزی پاشا کو معلوم ہوچکا تھا کہ "غازی" نے اب اپنا راستہ بدل لیا ہے، مگر اس کے باوجود وہ خاموش رہے! ولی اللہ صاحب نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ کُردوں نے اس لادینی نظام کے خلاف بغاوت کردی تھی۔ ۱۳ فروری ۱۹۲۵ء کو ایک کُرد رہنما شیخ سعید نے، جو سلسلۂ نقشبندیہ کے شیخ تھے، تینوں مشرقی صوبوں کے اندر علمِ بغاوت بلند کردیا۔ ان تینوں صوبوں میں اکثریت کُردوں کی ہے۔ شیخ نے کُردوں کی دینی غیرت وحمیت کو بھڑکا دیا اور باقاعدہ اعلانِ جہاد بلند کردیا۔ کُردوں نے خلافت کی بحالی کا مطالبہ کھڑا کردیا اور خلافت کے منصب کے لیے عبدالحمید ثانی کے بیٹے سلیم کا نام پیش کیا۔ مذکورہ تینوں صوبوں کو اپنے زیرِ اثر لانے کے بعد شیخ سعید دیار بکر کی طرف بڑھے اور آمد پر بھی قبضہ کرلیا۔ لیکن کُرد سلسلۂ جنگ کو جاری نہ رکھ سکے اور بالآخر انہیں شکست کھانی پڑی۔ دراصل مصطفیٰ کمال نے ترکی کے اندر وسیع پیمانے پر یہ بات پھیلادی کہ "ترکی کو اس وقت شدید خطرہ لاحق ہے۔ ترکی کے دشمن انگریز، کُردوں کی پُشت پناہی کررہے ہیں اور مال اور ہتھیاروں سے برابر ان کی مدد کررہے ہیں"۔ مصطفیٰ کمال کے اس جھوٹے پروپگنڈے نے

ناواقف عوام پر بڑا اثر کیا اور وہ کُردوں کی بغاوت ختم کرنے کے لیے مصطفیٰ کمال کے ہمنوا ہو گئے۔ کیونکہ ایک طرف ان کے سامنے مصطفیٰ کمال کی غیر اسلامی اصلاحات تھیں اور دوسری طرف خود وطن کی آزادی اور سالمیت کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ دو مہینے بھی نہ گزرے کہ مصطفیٰ کمال نے تُرک عوام کی مدد سے کُردوں کے خلاف سخت کارروائی کی اور اُن کی بغاوت کو فرو کر دیا۔ کُردستان کے اندر اِس قدر قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا کہ پُورا علاقہ آگ اور خون میں نہانے لگا۔ "باغیوں" سے انتقام لینے کے لیے عدالتیں قائم کی گئیں جنہیں "آزادی کی عدالتیں" کہا گیا۔ بڑے بڑے کُرد سرداروں کو اِن عدالتوں کی طرف سے پھانسی، جلاوطنی اور قید کی سزائیں دی گئیں۔ کُرد عوام کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ صرف دیار بکر کے اندر جن قبائلی سرداروں کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا اُن کی تعداد چالیس تھی۔ شیخ سعید کو، جو قائدِ انقلاب تھے، سب سے آخر میں پھانسی دی گئی۔

تشدد کا دَور دورہ | نائف آفندی نے اس بیان پر مزید اضافہ یہ کیا کہ کُردوں کے علاوہ اناطول کے دوسرے علاقوں میں بھی متعدد افراد نے "غازی" کی اصلاحات کے خلاف اقدامات کیے۔ مگر اُس وقت تشدد کا اس قدر شدید دَور دورہ تھا کہ ہر شخص پس کر رہ گیا۔ فوجی جرنیلوں کی ایک ایسی ٹیم مصطفیٰ کمال کے ساتھ تعاون کر رہی تھی جو تُرک باشندوں کے ساتھ اجنبی فاتح فوج سے بھی بدتر سلوک کرتی تھی اور خاص طور پر مسلمان تُرک اُس کی نگاہ میں حد درجہ مبغوض تھا۔ کُردوں کی مسلح بغاوت کو ختم کرنے کے بعد اِن لوگوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ انہوں نے اب اپنے سیاسی حریفوں سے نمٹنا شروع کر دیا۔ ۱۹۲۱ء میں اُن عناصر نے جو مصطفیٰ کمال کے لادینی اور تجدد پسندانہ افکار کے خلاف تھے، ایک جماعت کی تشکیل کی تھی جسے پہلے "جماعت دوم" کا نام دیا گیا اور بعد میں یہ "حزب احرار" اور "حزب جمہوری ترقی" کے ناموں سے مشہور ہوئی۔ یہ حزب مصطفیٰ کمال کی ری پبلکن پارٹی کی مخالف تھی۔ اس کے اندر تین طرح کے عناصر شریک تھے۔ کچھ خالص سیاسی لوگ، دوسرے دینی حلقے، اور تیسرے "نوجوان ترکی" پارٹی کے لیڈر۔ مصطفیٰ کمال کے بعض سابق حامی بھی، جو اب اُس کے خلاف تھے، اِس میں شامل ہو گئے تھے۔ اِس طرح سے "جماعت دوم" نے اچھی خاصی طاقت حاصل کر لی تھی۔ مگر کُردوں کی بغاوت کو بہانہ بنا کر مصطفیٰ کمال نے اِس پارٹی کو توڑنے کا حکم جاری کر دیا اور اس پر یہ الزام دھرا کہ کُردوں کی بغاوت کے اندر اِس پارٹی کا ہاتھ ہے، یہ وطن دشمن اور غداروں کا گروہ ہے۔ اور اِس کا وجود ملک اور قوم کی سلامتی کے لیے خطرہ ہے۔ چنانچہ اِس اعلان کے بعد مصطفیٰ کمال نے شہروں

اور بستیوں کے اندر "آزادی کی عدالتیں" قائم کر دیں۔ ایک ایک مخالف شخص کو ان عدالتوں کے اندر گھسیٹا گیا اور اُسے سزا دی گئی۔ مسٹر نائف نے بھرّائی ہوئی آواز کے ساتھ بتایا کہ اُس وقت پُورے ملک کے اندر دیوِ استبداد رقص کر رہا تھا۔ جس شخص پر بھی یہ شُبہ گزر جاتا کہ یہ "اصلاحات" کا مخالف ہے اُسے یا تو پھانسی پر لٹکا دیا جاتا یا اُسے سخت تعذیب کا نشانہ بنایا جاتا، یا مُلک سے باہر نکال دیا جاتا۔ "غازی" کا جوشِ انتقام کہیں تھمتا نظر نہ آتا تھا۔ یُوں اندازہ ہو رہا تھا کہ جیسے یہ شخص ترک ملّت کا فرد نہیں ہے بلکہ کوئی غیر ملکی فاتح ہے۔ کیونکہ تشدّد کا یہ انداز تو تاتاریوں نے بھی اِس سرزمین کے اندر روا نہیں رکھا تھا جب وہ سلجوقیوں کے آخری عہد میں یہاں حملہ آور ہوئے تھے۔ عوام سے انتقام لینے کے بعد "غازی" نے اپوزیشن کے لیڈروں کی طرف رُخ کیا۔ اپوزیشن کے لیڈر رؤف بے میری مراد "حزب دوم" کے رہنما ہیں۔ اُن پر نئی فردِ جرم یہ عائد کی گئی کہ ان لیڈروں نے اُس کے قتل کی سازش کی ہے جو بر وقت افشاء ہو گئی ہے۔ چنانچہ ان سب لیڈروں کو بھی جن میں کئی سیاسی اور دینی پیشوا اور بڑی قابلِ احترام ہستیاں تھیں، "آزادی کی عدالتوں" میں پیش کر دیا گیا۔ دوسری صف کے تمام لوگوں کو چوراہوں میں پھانسیاں دی گئیں۔ صرف صفِ اوّل کے چار افراد کو معافی دی گئی اور باقی سب دار و رسن کے حوالے کیے گئے۔ مسٹر نائف نے اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے یہ بھی انکشاف کیا کہ عین اس وقت جب مخالفین کو شہر کے چوراہوں پر پھانسیاں دی جا رہی تھیں، "غازی" کے محل میں جو "شان کیا" کے اندر واقع ہے، رقص و سرود اور جام و مے کا دور چل رہا تھا۔ "غازی" خوش تھا کہ اُس نے اپنا راستہ پُوری طرح صاف کر لیا ہے۔

عائلی اصلاحات کا حشر نائف آفندی اور دوسرے دوستوں کی اِس مفصّل اور دلچسپ گفتگو نے ترکی کی تاریخ حاضر کے نہایت اہم پہلو اجاگر کر دیئے اور راقم الحروف اس لحاظ سے مطمئن تھا کہ یہ معلومات خود ترکی کی سرزمین کے اندر ترکی قوم کے اُن افراد سے دستیاب ہو رہی ہیں جو اِن واقعات کے عینی شاہد ہیں یا اپنے بزرگوں کی زبان سے ان واقعات کو سن چکے ہیں۔ میرے سوال کا دوسرا حصّہ یہ تھا کہ عائلی قوانین کو کس حد تک اِس ملک کے اندر نافذ کیا گیا اور کیا فی الواقع ترکی کے مسلم معاشرے نے ان قوانین کی پابندی کی؟ شیخ عمر نصُوحی، جو اب اُٹھنے کے لیے کروٹ بدل رہے تھے، اور انہوں نے اپنا ہیٹ بھی سر پہ رکھ لیا تھا، اِس کا مختصر جواب دیتے ہوئے فرمانے لگے:

"ترکی کا موجودہ عائلی قانون دراصل سوئٹزرلینڈ کے سول لا سے ماخوذ ہے۔ بلکہ اُس کا مکمل چربہ ہے۔ مسیحی معاشرے کے قانون کو ترکی کے مسلم معاشرے میں اندھا دُھند نافذ کر دیا گیا۔ اب اسے "ٹرکش سول لا" کہا جاتا ہے۔ اِس قانون نے وراثت کے تمام اسلامی احکام اور شخصی قوانین کو بدل ڈالا اور تعددِ ازدواج کو بلا قید و شرط ممنوع قرار دے دیا۔ یہ قانون ۱۹۲۵ء میں مجلۂ احکام کو منسوخ کر دینے کے بعد جاری کیا گیا۔ اب اسے ۴۳ سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے مگر یہ کہنا کہ یہ قانون کامیاب ہوا ہے یا کسی حد تک بھی کامیاب ہوا ہے مشکل ہے۔ ہم نے ترکی کے مختلف طبقوں کی زبان سے مسلسل یہ شکایتیں سُنی ہیں کہ یہ قانون مالی، اخلاقی اور نفسیاتی ہر لحاظ سے معاشرے پر بارِ گراں بن رہا ہے اور ترکی کی اجتماعی اور نظریاتی زندگی کے ساتھ بُری طرح متصادم ہے۔ اس نے ترکی کی شہری زندگی کے اندر بداخلاقی، آوارگی اور جنسی آزادی کو جنم دیا ہے۔"

"قانونی" شادیاں اور "شرعی" شادیاں | شیخ عمر نصوحی نے اپنے حافظے پر بوجھ ڈالا اور اس سلسلے میں اُس دور کی بعض دلچسپ معلومات بیان کیں جب کہ اِس قانون کے نفاذ کے لیے حکومت کے پُورے ذرائع حرکت کر رہے تھے اور جبر و استبداد ملک پر حکمرانی کر رہا تھا۔ ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک دس سال کے نتائج پر موصوف روشنی ڈالتے ہوئے بتانے لگے:

"اِن دس سالوں کے اندر ۵ لاکھ ایسی شادیاں ہوئیں جو اس قانون کے خلاف تھیں۔ لوگ شریعتِ اسلامی کے مطابق نکاح منعقد کر لیتے تھے اور اُسے حکومت سے مخفی رکھتے تھے۔ بالآخر جب حکومت کے علم میں اِن خلاف ورزیوں کی مسلسل اطلاعات آنے لگیں تو حکومت کی طرف سے ایک ضمنی قانون جاری کیا گیا ——— ——— جس کی رُو سے ایسی غیر قانونی شادیوں کو "قانونی" قرار دے دیا گیا اور انہیں باقاعدہ رجسٹرڈ کر دیا گیا اور خلاف ورزی کرنے والوں کو تمام سرکاری فیسیں معاف کر دی گئیں۔ ۱۹۳۵ء ہی میں اِس نوعیت کا ایک اور "قانونِ معافی" صادر ہوا۔ اِن تفصیلات کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ مذکورہ دس سالوں کے اندر جو خفیہ شادیاں ہوئیں۔ وہ اُن شادیوں سے دوگنی تھیں جو اِن سالوں کے اندر ترکی کے مختلف اضلاع میں سرکاری رجسٹروں میں درج کی گئیں۔ کیونکہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اِس عرصہ میں رجسٹرڈ شادیوں کی تعداد تین لاکھ چھ ہزار کے قریب تھی جبکہ خفیہ شادیوں کی تعداد ۵ لاکھ کے قریب تھی۔"

نئے عائلی قوانین کا انجام

عائلی قانون کا یہ انجام میرے لیے حیرت انگیز تو تھا مگر ناقابلِ فہم نہیں تھا۔ اس لیے کہ خود پاکستان کے اندر اس قانون نے جو معاشرتی کشمکش پیدا کر رکھی ہے وہ لوگوں کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ اس سے فرار کے لیے نئے نئے راستے نکالیں۔ پاکستانی قوم جو عرصۂ دراز تک غلامی کی زندگی بسر کرتی رہی ہے اور جس کی وجہ سے اُس کے اندر وہ بہت سی خصوصیتیں معدوم ہو گئی ہیں جو آزاد قوم کے نمایاں نشان ہیں، اُس کے لیے بھی غیر اسلامی عائلی قانون گوارا کرنا مشکل ہو رہا ہے کجا کہ تُرک قوم، جو غلامی کی لعنت سے پاک رہی ہے اور جس کے پاس عائلی قوانین کا نہایت ترقی یافتہ نظام مجلّۂ احکام عدلیہ کی شکل میں موجود تھا۔ مَیں نے شیخ نصوحی سے درخواست کی کہ وہ اِس موضوع پر مزید روشنی ڈالیں۔ بلکہ مَیں نے اِس موضوع کے بارے میں اپنی شدید دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کے عائلی قوانین کا خلاصہ بھی پیش کیا، اور انہیں یہ لطیفہ بھی سنایا کہ شروع شروع میں جب یہ قانون نافذ کیا گیا تو ایک یونین کونسل کے چیئرمین نے ایک شخص کو یہ وارننگ دی تھی کہ اُس نے پہلی بیوی کو طلاق دینے کے بعد دوسری شادی ایامِ عدت گزارنے سے پہلے کیوں کر لی ہے۔ شیخ اِس پر خوب ہنسے۔ اور فرمانے لگے کہ ایسے لطائف کی ہمارے ہاں بھی کمی نہیں رہی۔ مگر درحقیقت تُرک عوام نے نئے عائلی قوانین کو دل سے ہرگز قبول نہیں کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اِن قوانین کے اجراء کے بعد عوام کے اندر ایک اصطلاح چل پڑی جسے عربی میں "تخالُل" کہتے ہیں، یعنی "دوست گری"۔ یہ اصطلاح خفیہ طور پر شہروں سے نکلی اور قصبوں اور دیہات تک پھیل گئی۔ دوسرے معنوں میں یہ "خفیہ اصطلاح" ایک سے زائد شادی کے لیے جواز کا فتویٰ تھی۔ اور ہو سکتا ہے کہ اسے رواج دینے میں بعض علماء کا ہاتھ ہو۔ اس اصطلاح کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اسلامی طریقے کے مطابق دوسری شادی کر لیتا ہے اور قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے وہ دوسری بیوی کو باقاعدہ "بیوی" کہنے کے بجائے "دوست" (GIRL FRIEND) کہہ دیتا ہے تو قانون اس پر راضی ہو جاتا ہے اور شرعاً نکاح پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ اُس کا نکاح درست اور مطابقِ شریعت ہے۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں حسبِ ضرورت دوسری شادیاں رچاتے اور جب قانون کی باز پُرس ہوتی تو کہہ دیتے کہ دوسری عورت میری دوست ہے۔ قانون اِس تاویل کے آگے دم بخود ہو جاتا۔ کیونکہ نئے قانون کی رُو سے دوسری "شادی" ممنوع تھی، "دوست گری" ممنوع نہ تھی۔ "قانونی بیوی" اور "شرعی بیوی" کا یہ فرق صرف ظاہری تھا۔ ورنہ حقوق و

فرائض میں دونوں یکساں ہوتی تھیں بلکہ اکثر علاقوں میں یہ دونوں ایک ہی گھر میں رہتی تھیں۔ شرعی بیویوں کی اولاد کو لوگ یا تو پوشیدہ رکھتے اور اسے سرکاری کاغذات میں درج نہ کرواتے اور یا قانونی بیوی کے کھاتہ میں درج کروا دیتے۔ ۱۹۳۵ء میں جب پانچ لاکھ غیر قانونی جوڑوں کو قانونی جوڑے تسلیم کر لینے کا قانون صادر ہوا تو اس قانون پر بحث کے دوران یہ بھی بتایا گیا کہ "ان ۵ لاکھ جوڑوں کے ساتھ ۱۰ لاکھ خفیہ بچے بھی موجود ہیں"۔ شیخ نصوحی نے کہا کہ ترکی معاشرے کے اندر جن الجھنوں کو سوئٹزرلینڈ کے سول لا نے جنم دیا ہے یہ اس کی صرف ایک مثال ہے۔ یہ قانون خود سوئٹزرلینڈ میں ناکام ہو چکا ہے۔ اور سوئٹزرلینڈ کا معاشرہ اس کی بدولت تمام مغربی معاشروں سے زیادہ بدتر حالت میں ہے۔ وہاں ہر سو جوڑوں میں سے ۲۵ سے زائد جوڑوں کا انجام طلاق پر ہوتا رہا ہے، اور اب تو یہ نسبت مزید بڑھ چکی ہے مصطفیٰ کمال اور اس کے ساتھیوں کے عقلی دیوالیہ پن کا حال یہ تھا کہ اسلام کے بہترین عائلی قانون کو منسوخ کر کے ان لوگوں نے سوئٹزرلینڈ کا یہ ناکام قانون لا کر ترکی قوم پر مسلط کر دیا۔

خلاصہ یہ کہ شیخ عمر نصوحی کے الفاظ میں ترک ملت نے مصطفیٰ کمال کی عائلی اصلاحات کو ہرگز قبول نہیں کیا، اور خاص طور پر ترکی کی دیہی آبادی میں تو ان اصلاحات کے خلاف آج تک شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ شیخ عجلت میں تھے۔ اور نماز تراویح کا وقفہ بھی کم تھا اس لیے یہ مجلس برخاست ہوگئی اور کل کی افطاری کے لیے پرنسپل صاحب کی طرف سے دوبارہ دعوت پیش کی گئی۔ مجلس کے اندر کمال داتے نامی ایک تاجر بھی موجود تھے جن کا اپنا کتب خانہ اور پریس ہے۔ گفتگو کے دوران تو وہ چپ چاپ بیٹھے رہے مگر جب ہم اٹھنے لگے تو یہ یوسف صالح قرجہ صاحب سے کہنے لگے کہ میں خلیل حامدی سے نشر و اشاعت کے موضوع پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ شیخ عمر نصوحی تو تشریف لے گئے اور پرنسپل صاحب بھی اپنے بعض معاملات میں مشغول ہو گئے، مگر دوسرے دوست دوبارہ بیٹھ گئے۔

اسلامی لٹریچر کی طباعت و اشاعت اسماعیل داتے صاحب نے بتایا کہ یغمور پریس کے نام سے اُن کے پاس اچھا چھاپہ خانہ ہے۔ کتابوں کی ایک دکان بھی ہے۔ ان کا مقصد اسلامی فکر کا فروغ اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت ہے۔ اُن کی خواہش ہے کہ وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابیں ترکی زبان میں وسیع پیمانے پر شائع کریں اور پھیلائیں۔

ؔ ترکی کے ایک اور اسلام پسند وکیل سے بھی ترکی کے دورِ عثمانی کے قانونی اور عدالتی نظام اور لادینی دور کی اصلاحات کے موضوع پر گفتگو ہوئی جسے ہم آگے چل کر نقل کریں گے۔

میں نے اُن سے دریافت کیا کہ مولانا مودودی کی جو کتابیں اب تک ترکی میں چھپ چکی ہیں اُن کی اشاعت اور ترویج کا کیا حال ہے؟ یوسف صالح ترجہ کی وساطت سے انہوں نے بتایا کہ مولانا مودودی ترکی کے تعلیم یافتہ طبقہ میں کافی متعارف ہیں۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ میں وہ خاصے مقبول ہیں۔ طلبہ کا اسلام پسند عنصر بڑے شوق اور اہتمام سے مولانا کی کتابیں پڑھتا ہے۔ ان کتابوں کی مقبولیت میں حالات کے تغیر سے روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس بنا پر میں چاہتا ہوں کہ بازار کی مانگ کا لحاظ کرتے ہوئے اِن کتابوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں پھیلایا جائے۔ طباعت اور ظاہری حُسن کا معیار بھی بلند سے بلند تر ہو اور قیمت بھی مناسب ہو۔ اسماعیل دائے صاحب نے پُورے عزم و شیفتگی کے ساتھ کہا کہ میں اِن شرائط کے ساتھ کما حقہٗ مولانا مودودی کے لٹریچر سے بازار کو بے نیاز کر سکتا ہوں۔ مزید آں میری آرزو ہے کہ مولانا مودودی کے افکار کو اس ملک کے اندر پھیلانے کی مجھے سعادت نصیب ہو۔ ۴۰-۴۵ برس کے اس وجیہ و شکیل تاجر کے یہ الفاظ بڑے خلوص اور قلبی نظافت کی غمازی کر رہے تھے اور میرا دل یہ سوچ رہا تھا کہ جس ملک سے اسلامی مطبوعات کو چُن چُن کر نکالا گیا تھا، اسلامی کتب خانوں کو تالے لگا دیئے گئے تھے اور اسلامی فکر و نظر کے حامل لٹریچر کے گاہکوں کو جیل خانوں کی ہوا کھلائی گئی تھی، وہ ملک اپنی اسلامیت سے پھر بھی بیگانہ نہ ہو سکا اور رُبع صدی کے اندر اندر اُس نے باہر سے زبردستی درآمد کردہ نظریات و خیالات کو مکھی کی طرح اُگلنا شروع کر دیا۔ راقم الحروف نے اسماعیل دائے صاحب کے جذبات کا پُورا پُورا شکریہ ادا کیا اور اُن سے عرض کیا کہ ترکی کے اندر مولانا مودودی کی کتابوں کے تراجم کی طباعت و اشاعت کا انتظام ترکی ہی کے ایک دوست کو سونپا گیا ہے۔ میں اُن تک آپ کی خواہش پہنچا دوں گا اور خود مولانا مودودی مدظلہ العالی کے علم میں بھی لاؤں گا۔ یہ حضرات مناسب فیصلے سے آپ کو مطلع کر دیں گے۔ یوسف صالح ترجہ صاحب نے اسماعیل دائے صاحب کی بھرپور تائید کی۔ بلکہ انہوں نے بتایا کہ میں علامہ اقبال مرحوم کی کتاب "بالِ جبریل" کا ترکی میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ کتاب کا اکثر و بیشتر حصّہ مکمّل ہو چکا ہے اور یہ ترجمہ بھی اسماعیل دائے صاحب ہی شائع کریں گے۔ یوسف صالح ترجہ صاحب کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ موصوف لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضلِ ادب کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ اردو زبان و ادب کا بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ اور اپنی دیگر مصروفیات کے باوجود اردو زبان کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ بالِ جبریل کے ترجمہ کا مسودہ بھی اُن کے پاس ہی تھا۔ انہوں نے بڑے فخر و انبساط کے ساتھ اُسے نکالا

اور ساقی نامہ کا ترجمہ سنانا شروع کر دیا۔ بلکہ انہوں نے خود اصل ساقی نامہ بھی مجھے اُردو میں سنایا۔ لہجہ اور تلفظ دونوں خوب تھے۔ عربوں کے اندر اُردو نوازی کی صرف دو مثالیں ملتی ہیں۔ ایک ڈاکٹر عبدالوہاب عزام مرحوم جنہوں نے علامہ اقبالؒ کے فارسی اور اُردو کلام کا عربی اشعار میں ترجمہ کیا ہے۔ اور دوسرے یمن کے نامور اسلامی رہنما مرحوم محمود محمد زبیری، جنہوں نے مولانا حالیؒ کی مسدس کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ ان شاذ مثالوں کے سوا عربوں کے اندر اُردو سے کوئی دلچسپی محسوس نہیں کی۔ ترکوں کے اندر اُردو کی رغبت بہت دیکھی۔ (باقی)

سوشلزم کی ناکامیاں

از

اسعد گیلانی ایم۔ اے

سوشلزم کی ۲۴ فکری لغزشیں اور عملی ناکامیوں کی متعین مثالیں مستند کتب سے حوالہ جات۔ طلباء اور سیاسی کارکنوں میں مفت تقسیم کے لیے صرف لاگت پر -/۲۲ روپے سینکڑہ۔ آفسٹ طباعت۔ رنگین سرورق ۴۸ صفحات پر مشتمل۔

شائع کردہ

ادارۂ ادب اسلامی

۲۲ اے سٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا